سنت اور حدیث

تصور سنت پر تفصیلی بحث

ڈاکٹر فضل الرحمن

اس سے پہلے ہم اس امر پر زور دے چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت ایک مثالی تصور کی حیثیت رکھتی ہے جس سے قرون اولی کے مسلمانوں نے اس نئے مواد کی روشنی میں جو انہیں دستیاب ہو سکا اور نئی ضروریات کے مطابق اسوۂ رسول کی تعبیر و ترجمانی کے ذریعہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ قریب تر لانے کی کوشش کی اور اس مسلسل اور ترقی پذیر تعبیر و ترجمانی کو بھی سنت سے موسوم کیا گیا اگرچہ مختلف دیار و امصار کی سنت میں اختلافات موجود تھے - اسلام کے ابتدائی دور میں جو نشو و نما اور ارتقاء عمل میں آیا اور جو علم حدیث کی تدوین کے بعد اتنا جدید اور انقلاب انگیز معلوم ہوتا ہے اس کی صحیح نوعیت سمجھنے کے لئے مناسب ہوگا کہ ہم حدیث پر بحث کرنے سے قبل اس مسئلہ پر مزید توجہ مبذول کریں۔

امام ابو یوسف نے اپنی کتاب ''**الرد علی سیر الاوزاعی**'' - میں امام ابو حنیفہ کی یہ رائے بیان کی ہے کہ اگر غیر مسلموں کے ملک میں کوئی شخص مسلمان ہوجائے اور اپنا گھر بار چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت میں شمولیت اختیار کرلے تو اس صورت میں اگر مسلمان اپنی فوجی طاقت سے اس ملک پر قبضہ کرلیں تو اس شخص کی جائداد اسے واپس نہیں کی جائے گی بلکہ اس کا شمار مال غنیمت میں ہوگا ۔ شامی

فقیہ اوزاعی امام ابو حنیفہ کی اس رائے کو مسترد کرتے ہوئے رسول اللہ صلعم کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے فتح مکہ کے بعد ان مسلمانوں کی جائداد واپس کردی تھی جنھوں نے مکہ چھوڑکر مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ سکونت اختیار کی تھی۔ امام ابو یوسف کے قول کی رو سے اوزاعی کی دلیل یہ تھی کہ ''جو شخصیت سب سے زیادہ لائق اتباع ہے اور جس کی سنت کا التزام سب سے زیادہ ضروری ہے وہ رسول اللہ کی شخصیت ہے'' ابو یوسف امام ابو حنیفہ کی حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا عمل امام ابو حنیفہ کی رائے سے مطابقت رکھتا ہے اور رسول اللہ صلعم نے اہل مکہ کے ساتھ جو طرز عمل برتا وہ ایک استثناء ہے ''سنت جاریہ یہی رہی ہے اور اسلام کا عمل بھی یہی تھا اگرچہ رسول اللہ نے فتح مکہ کے موقع پر ایسا نہیں کیا'' اس کے بعد ابو یوسف کہتے ہیں کہ بنی ھوازن کے معاملہ میں ''رسول اللہ کی سنت'' اس سے بھی زیادہ مختلف تھی۔ بنی ھوازن جب مسلمانوں سے شکست کھاگئے تو انھوں نے رسول اللہ صلعم کے پاس آکر رحم وکرم کی درخواست کرتے ہوئے اپنے قیدیوں اور اپنی جائداد کی واپسی کے لئے استدعا کی ۔ رسول اللہ نے مال غنیمت میں سے اپنا ذاتی حصہ انھیں واپس کردیا اور دوسرے مسلمانوں نے بھی آپ کی پیروی میں یہی کیا صرف چند قبائل ایسے تھے جنھوں نے اپنا حصہ واپس دینے سے انکار کردیا ۔ اس کے بعد رسول اللہ نے ان قبائل کو معاوضہ دیکر بنی ھوازن کو باقی مال واپس کردیا نیز ان کے وہ افراد جنھیں غلام یا باندی بنالیا گیا تھا آزاد کرکے انھیں واپس کردئیے گئے (۱)

متذکرہ بالا بیان میں پہلا امر جو قابل توجہ ہے وہ امام اوزاعی کا یہ قول ہے کہ '' وہ شخصیت جس کی سنت پیروی کی سب سے زیادہ مستحق ہے رسول اللہ کی شخصیت ہے'' اس میں صاف طور پر یہ امر مضمر ہے کہ (الف) سنت یا مستند نظیر کوئی شخص بھی قائم کرسکتا ہے جس میں اس کی اہلیت موجود ہو اور (ب) رسول اللہ کی سنت ایسے تمام نظائر پر محیط اور ان سب حیثیتوں سے مقدم ہے۔ لیکن دوسرا امر جو یکساں اہمیت رکھتا ہے سنت کا وہ مفہوم ہے جس میں امام ابو یوسف اس اصطلاح کو متذکرہ بالا بیان میں استعمال کرتے ہیں - امام صاحب موصوف پہلے مسئلہ زیر بحث کے تعلق سے سنت کے دو

مفہوموں میں امتیاز کرتے ھیں یعنی سنت ایک طرف اس عمل کے اعتبار سے جو مسلمانوں میں رائج تھا اور دوسری طرف اس خصوصی عمل کی رو سے جو رسول اللہ صلعم سے فتح مکہ کے موقع پر سرزد ھوا ۔ رسول اللہ صلعم کے اس مؤخرالذکر عمل کو امام ابو یوسف ایک استثنائی صورت قرار دیتے ھیں اور اسی لئے یہ ان کے نزدیک سنت کے مفہوم میں داخل نہیں ھے لیکن امام اوزاعی کے نزدیک رسول اللہ صلعم کا یہ عمل عین سنت تھا اس طرح ھم دیکھتے ھیں کہ تعبیرات کے اختلافات کے باعث دونوں فقیہ متضاد نتائج اخذ کرتے ھیں لیکن سب سے زیادہ دلچسپ امر ھمارے لئے لفظ ,,سنت،، کا وہ استعمال ھے جو امام ابو یوسف اپنے دوسرے بیان میں کرتے ھیں جہاں وہ بنی ھوازن کے تعلق سے رسول اللہ کی سنت کا ذکر کرتے ھیں یہ صورت بھی امام یوسف کے نزدیک سنت کے عام اصول کا ایک استثناء ھے لیکن سنت کے اس استثناء کو بھی امام صاحب سنت کی اصطلاح سے موسوم کرتے ھیں اس لئے بدیہی طور پر یہ نتیجہ اخذ ھوتا ھے کہ جب صورت حال کا یہ تقاضا ھو تو عام قاعدہ کے استثناء پر بھی قاعدہ ھی کا اطلاق کیا جائے گا ۔ جب ھم مفہوم (ب) میں سنت کو ایک ٹھوس اور متعین صورت دینے کی کوشش کرتے ھیں یعنی وہ سنت جو امت کے واقعی عمل سے عبارت ھے تو ھمیں سنت رسول کی اس آزاد تعبیر میں اور زمانہ ما بعد کے فقہاء نے سنت کے جس جامد اور بے لچک عقیدہ کی تشکیل کی اس میں ایک عجیب و غریب بعد نظر آتا ھے ۔ یہاں صورت حال کی خصوصیات کے اعتبار سے رسول کے عمل و کردار کی ایک حرکت پذیر لہر ھے جو آزادی کے ساتھ رواں ھے ؛ وھاں چند جامد قواعد و ضوابط ھیں جو ایک بار وضع کئے جانے کے بعد ھمیشہ ایک حالت پر قائم رہتے ھیں ۔ یہاں جن مقاصدوغایات کے حصول کے لئے رسول اللہ صلعم سرگرداں تھے ان کی مسلسل اور انتھک تلاش و جستجو ھے، وھاں ضوابط کا ایک بے لچک اور متعین نظام ھے جس کو ھمیشہ ھمیشہ کے لئے تحریفات کے آھنی شکنجہ میں کس دیا گیا ھے ۔

دارالحرب میں غلام بنائے جانے والے اشخاص کے متعلق امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ھے کہ دارالاسلام میں لانے سے قبل ان کی خرید و فروخت مکروہ ھے ۔ اس پر امام اوزاعی تبصرہ کرتے ھوئے لکھتے ھیں ,,مسلمان ھمیشہ سے دارالحرب میں جنگی قیدیوں کی خرید و فروخت کرتے رھے ھیں ۔ خلیفہ ولید کے قتل تک

مسلمانوں میں اس مسئلہ کی نسبت باھم اختلاف رائے نہیں ھوا۔" اس پر امام ابو یوسف اپنی رائے ظاھر کرتے ھوئے لکھتے ھیں۔ "کسی امر کے جائز یا ناجائز ھونے کو اس قسم کے بیانات پر مبنی نہیں قرار دیا جاسکتا کہ اور لوگوں کا ھمیشہ سے ایسا عمل رھا ھے۔ اسلئے وہ لائق عمل ھے۔ کیونکہ تعامل الناس کے مطابق فیصلہ یا تو سنت رسول پر مبنی ھونا چاھئے یا سلف کی سنت یعنی سنت صحابہ اور ان لوگوں کی سنت پر جنھیں فقہ میں درک ھو" (۲) پھر حجازی فقیھوں کے تصور سنت پر تنقید کرتے ھوئے امام ابو یوسف لکھتے ھیں "حجاز کے فقیہ جب کبھی کسی امر کا فیصلہ کرتے ھیں اور ان سے سند طلب کی جاتی ھے تو عموماً وہ جواب دیتے ھیں کہ 'قائم شدہ سنت یہی ھے' حالانکہ غالباً یہ سنت کسی عامل السوق یا بیرونی ضلع کے کسی محصول وصول کرنے والے افسر کے فیصلہ پر مبنی ھوتی ھے" (۳) ان مباحث' دلائل اور تردیدی دلائل سے بعض اھم نتیجے اخذ کئے جاسکتے ھیں: اولاً سنت کا تصور جس طرح کہ اس اصطلاح کو ائمہ فقہاء نے اوائل اسلام میں استعمال کیا۔ اگرچہ نصب العین اور مثالی حیثیت سے اسوہ رسول تک منتہی ھوتا ھے لیکن واقعی مواد کے اعتبار سے وہ امت کے عمل پر بھی حاوی ھے۔ واقعہ یہ ھے کہ امام اوزاعی بار بار اس قسم کے فقرات استعمال کرتے ھیں جیسے "مسلمانوں کا عمل" "ائمۃ المسلمین یعنی مسلمانوں کے سیاسی (اور عسکری) رھنماؤں کا عمل اور "اجماع علما" اور ان فقرات کو وہ یقیناً ایک ھی معنوں میں استعمال کرتے ھیں یعنی ان کے نزدیک یہ سب مترادفات ھیں' امام مالک بالکل اسی طرح تعامل اھل مدینہ کی اصطلاح کا استعمال کرتے ھیں۔ اب یہ امر بالکل واضح ھے کہ یہاں ھمیں اوائل اسلام کے مسلمانوں کے زندہ اور جاری عمل سے واسطہ ھے۔ یہ بھی واضح ھے کہ یہ سنت جسے ھم نے حصہ اول میں مفہوم (ب) کی رو سے سنت کہا ھے بعینہ وھی چیز ھے جسے اجماع امت کہا جاتا ھے اور اس میں علماء کے فیصلے نیز سیاسی حکام کے وہ فیصلے بھی شامل ھیں جو وہ روز مرہ کے امور نظم و نسق کی نسبت کرتے رھتے تھے۔ دوسرا اھم امر جو مذکورہ بالا بحث سے واضح ھوجاتا ھے یہ ھے کہ اگرچہ "زندہ اور جاری سنت" ابھی تک ایک ایسا عمل ھے جس کی نگاھیں اجتہاد و اجماع کے باعث مستقبل پر جمی ھیں لیکن دوسری صدی کے وسط میں

فقہی نظام کے نظری پہلو میں ایک تبدیلی کا آغاز ہوتا ہے جو امام ابو یوسف کی تحریروں میں نظر آتا ہے اور عراق میں سب سے پہلے شعوری طور پر ابھرتا ہے - یہ تبدیلی اس طرح شروع ہوتی ہے کہ فقہاء عراق " زندہ اور جاری سنت " کی نسبت ایک تنقیدی رویہ اختیار کرتے ہیں اور استدلال یہ کرتے ہیں کہ کسی قاضی یا سیاسی رہنما کے ہر ہر فیصلہ کو جزو سنت قرار دینا درست نہیں اور صرف ان علماء کو جو فقہ میں درک رکھتے ہوں اور اعلیٰ قسم کی فہم و بصیرت سے بہرہ ور ہوں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ " زندہ سنت " کے مفہوم و مواد کو وسعت دیں - " زندہ اور جاری سنت " کے تصور کو رد نہیں کیا جاتا ہے لیکن ایک پختہ اور یقینی طریق کار کی تلاش ضرور جاری ہے جس پر " زندہ اور جاری سنت " کی بنیاد رکھی جاسکے -

علم حدیث کی ابتدائی نشو و نما

اس حقیقت میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ابتدائے اسلام سے موجود تھی - در اصل یہ ایک بالکل فطری امر تھا کہ رسول اللہ صلعم کے حین حیات مسلمان آپ کے اعمال و اقوال کی نسبت خصوصاً اگر وہ امور مملکت یا امت کی فلاح و بہبود یا عام معاملات دنیا و دین سے متعلق ہوں باہم گفتگو کریں- عرب جنھوں نے اپنے شعراء کے اشعار اور نظموں، اپنے کاھنوں کے اقوال، اپنے حکموں اور قبائلی سرداروں کے فیصلوں کو، حفظ کرکے انھیں اخلاف تک پہنچایا اس ہستی کے اعمال و اقوال سے کس طرح غفلت برت سکتے تھے جسے وہ خدا کا رسول اور مہبط وحی الٰہی تسلیم کرتے تھے؟ اس فطری امر کا انکار نہ صرف احمقانہ فعل ہے بلکہ در حقیقت یہ اپنی ساری تاریخ کو جھٹلانے کے مترادف ہے - ان کے لئے لئی سنت یعنی رسول اللہ کی سنت اتنی اھمیت رکھتی تھی (اور اس کی اھمیت پر خود قرآن میں اتنا زور دیا گیا ہے) کہ اسے نظر انداز کردینا یا اس سے تجاھل برتنا مسلمانوں کے لئے ایک امر ناممکن تھا - جیسا کہ ہم نے اس مقالہ کے حصہ اول میں بیان کیا ہے یہ حقیقت اسلام کی مذھبی تاریخ میں روز روشن کی طرح ھویدا اور ظاھر و باھر ہے اس لئے اس سے انکار کرنے کی کوشش کسی پہلو سے بھی کی جائے خواہ وہ مذھبی ہو یا تاریخی ایک طفلانہ اور مضحکہ

انگیز کوشش ہے - امت مسلمہ کی سنت رسول اللہ صلعم کی سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ ہے -

امور مندرجہ بالا کے باوجود عہد رسالت میں حدیث زیادہ تر ایک رسمی اور بے ضابطہ نوعیت رکھتی تھی کیونکہ اس کے ذریعہ جو واحد ضرورت تکمیل پاتی تھی وہ یہ تھی کہ حدیث کے واسطہ سے مسلمانوں کی عملی رہنمائی کی جاسکے لیکن اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس وقت تک مسلمانوں کے درمیان خود ذات رسالتماب کا موجود ہونا کافی تھا - رسول اللہ کی وفات کے بعد حدیث کو پورے طور پر تو نہیں لیکن ایک حد تک باضابطہ حیثیت حاصل ہوگئی کیونکہ آنے والی نسل کے لئے یہ ایک بالکل قدرتی امر تھا کہ وہ رسول اللہ کے حالات کی جستجو اور آپ کے طرز عمل کے بارے میں کد و کاوش کرے لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس مرحلہ پر بھی حدیث کی کوئی باقاعدہ تدوین عمل میں آئی ہو - اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی تھی کہ اس وقت تک جتنی احادیث موجود تھیں وہ مسلمانوں کے عملی اغراض کی تکمیل کے لئے کفایت کرتی تھیں یعنی ان سے امت کا عمل تشکیل پاتا رہتا تھا اور انھیں وسعت دیکر امت اپنے عمل کے سانچے میں ڈھال لیتی تھی - اس وجہ سے ارباب حکومت اور قضاۃ دونوں نے پیش نظر صورت حالات کے مطابق اس کی آزادانہ تعبیر کی اور اس تعبیر کے نتیجہ میں جو شئے وجود میں آئی وہ وہی تھی جسے ہم نے زندہ اور جاری سنت سے موسوم کیا ہے - لیکن جب پہلی صدی ہجری کے آخری نصف حصے میں مسلمانوں کی روز مرہ کی عملی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر تعبیر و ترجمانی کے اس عمل کے ذریعہ اسلامی خلافت کے مختلف علاقوں میں رسول اللہ صلعم کی زندہ اور جاری سنت کا پھیلاؤ بہت زیادہ بڑھ گیا اور فقہی نظامات نیز فقہی امور کو برتنے کے طریقوں میں اختلاف کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی تو حدیث نے ایک باقاعدہ علم کی صورت اختیار کرلی -

معلوم یہ ہوتا ہے کہ راویان حدیث کی سرگرمیاں قاضیوں اور فقیہوں کے عمل اور طریق کار سے نہ صرف غیر متعلق تھیں بلکہ بسا اوقات ان کے علی الرغم جاری تھیں - فقہاء اپنے فقہی امور زندہ اور جاری سنت کی بنا پر طے

کرتے تھے اور فقہ کی توسیع کی غرض سے اپنی ذاتی رائے کے ذریعہ حاصل شدہ مواد کی آزادانہ تعبیر کرتے تھے - اس کے برعکس راویان حدیث اپنا بنیادی کام یہ سمجھتے تھے کہ وہ صرف روایت پر اکتفا کریں کیونکہ ان کی غرض یہ تھی کہ کس طرح فقہی نظام میں ثبات و استقرار پیدا ہو - اگرچہ قلت مواد کے باعث یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ فقہاء اور راویان حدیث کا ٹھیک ٹھیک کیا تعلق تھا لیکن یہ امر یقینی ہے کہ بالعموم یہ دونوں فریق ایک قسم کے تناؤ کے دو سرے تھے جن میں سے ایک فقہ کی نشو و نما اور ترقی کا معاون تھا اور دوسرا اس میں ثبات و استقرار پیدا کرنا چاہتا تھا - یہ امر واقعہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کی جو تصانیف ہم تک پہنچی ہیں ان کا سلسلۂ روایت صحابہ بلکہ تابعین اور تبع تابعین تک آکر ختم ہوجاتا ہے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا معلوم ایسا ہوتا ہے - گویا حدیث کی تحریک نے داخلی تقاضے سے مجبور ہوکر سلسلہ روایات کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے اس کے فطری مرکز و محور یعنی ذات رسالتماب تک پہونچادیا - ابتدائی فقہی مذاہب نے جو زندہ اور توسیع پذیر سنت پر، اہ کہ بنی بنائی اور منجمد آراء کے کسی مجموعہ پر مبنی تھے، قدرۃً اس میلان کی مزاحمت کی - ہم نے اس مقالے کے پہلے حصہ میں بتایا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں کیا کام کیا اور کن رحجانات کو قوت دی - امام شافعی فقیہوں پر مسلسل الزام دیتے ہیں کہ وہ روایت احادیث میں کوتاہی کرتے ہیں اور جن تھوڑی بہت حدیثوں کی روایت بھی کرتے ہیں فقہ میں ان سے مطلق استفادہ نہیں کرتے (۴) اس قسم کے اعتراضات امام شافعی نے خاص طور پر حجازیوں کے خلاف وارد کئے ہیں لیکن عراقیوں کو بھی تقریباً وہ ان ہی اعتراضات کا نشانہ بناتے ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے وسط تک تحریک حدیث کافی ترقی کرچکی تھی اور اگرچہ اکثر احادیث اب تک رسول اللہ کی طرف نہیں بلکہ دیگر شخصیتوں کی طرف منسوب کی جاتی تھیں - مثلاً صحابہ - اور خصوصاً دور صحابہ کے بعد کے اشخاص کی جانب لیکن اوائل عہد اسلام کے مسلمانوں کی اکثر فقہی آراء اور ان کے وہ مذہبی عقائد جو زمانہ مابعد کی پیداوار تھے رسول اللہ صلعم کی جانب منسوب کئے جانے لگے تھے - اس دعوی کے تفصیلی شواھد ہم آگے چلکر پیش کریں گے - اس کے باوجود حدیث کی تعبیر و تاویل میں بڑی آزادی برتی جاتی

تھی ۔ مقالے کے حصہ اول میں ہم نے شواھد و دلائل کے ساتھ امام مالک کے بارے میں بتایا ھے کہ وہ اصولی طور پر تعامل اھل مدینہ کو حدیث پر ترجیح دیتے ھیں اور ان کی بیشتر تعبیرات ذاتی آراء پر مبنی ھوتی ھیں - اس حصہ کی ابتداء میں ھم نے یہ بھی بتایا ھے کہ امام اوزاعی نے جن احادیث کو بطور دلائل پیش کیا ' امام ابو یوسف ان کی تعبیر صورت حالات کے اعتبار سے کرتے ھیں - امام صاحب موصوف کی تصانیف ایسی مثالوں سے پرٌ ھیں، ھم یہ بھی بتاچکے ھیں کہ امام ابو یوسف کا ائمہٗ فقہاء کی نسبت تصور یہ تھا کہ وہ سنت نبوی کی توسیع اور زندہ سنت کی تخلیق کرنے کا کام سر انجام دے رھے ھیں ۔ وہ ھر ایسی حدیث کو رد کردیتے ھیں جو عام سنت کے بالمقابل ایک استثنائی صورت کی حیثیت رکھتی ھو- اس سے ان کی مراد وہ احادیث ھیں جنھیں بعد میں اخبار احاد کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ وہ ایک ھی سلسلہ روایت سے مروی تھیں ۔ مثلاً جو شخص جہاد کے لئے دو گھوڑے مہیا کرے اس کے متعلق امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ھے کہ اسے مال غنیمت میں سے صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملنا چاھئے۔ دوسری طرف امام اوزاعی کے نزدیک دونوں گھوڑے اپنے حصہ کے مستحق ھونگے ۔ اس سلسلہ میں وہ حدیث اور سنت دونوں سے استدلال کرتے ھوئے کہتے ھیں کہ '' اس حدیث سے تمام علماء واقف ھیں- اسی کے مطابق ھمارے سیاسی رھنما عمل کرتے رھے ھیں' (٥) غالباً شام کے ارباب حکومت کا عملدرآمد یہی تھا - اس پر امام ابو یوسف تبصرہ کرتے ھوئے لکھتے ھیں ''رسول اللہ یا صحابہ کرام سے ھمیں سوائے ایک کے کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس کی رو سے مال غنیمت میں سے دونوں گھوڑوں کو حصے دئے جائیں لیکن ایک اکیلی حدیث کو ھم استثنائی صورت قرار دیتے ھیں اور اس پر عمل کو جائز نہیں سمجھتے - جہاں تک امام اوزاعی کے اس بیان کا تعلق ھے کہ 'سیاسی رھنماؤں کا عمل یہی رھا ھے اور علماء کی رائے بھی یہی ھے' یہ بالکل اھل حجاز کے اس دعوی کے مماثل ھے کہ ' قائم شدہ سنت یہی ھے ' لیکن ھمارے نزدیک جہلاءؔ کی رائے کو مستند نہیں قرار دیا جاسکتا ۔ سوال یہ ھے کہ کس سیاسی راہ نما نے اس پر عمل کیا اور کس عالم نے اس کی صحت تسلیم کی'' (٦) ۔

اپنی اس تصنیف میں امام ابو یوسف لوگوں کو عام طور پر متنبہ کرتے ہیں کہ وہ ''احادیث کو من وعن اور بلا جرح و تنقید تسلیم نہ کریں احادیث کی تعداد اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ جن احادیث کی سلسلہ بسلسلہ روایت کی جاتی ہے ، ماہرین فقہ ان سے بالکل واقفیت نہیں رکھتے اور نہ وہ قرآن و سنت سے مطابقت رکھتی ہیں - اکیلی حدیثوں سے جو استثنائی صورتوں سے متعلق ہوں خبردار ہو اور جماعت و نیز احادیث کی اجتماعی روح سے علیحدگی نہ اختیار کرو'' (۷) اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اسی لئے قرآن و سنت کی راہ نمائی اختیار کرنی ضروری ہے (۸) اس طرح امام ابو یوسف حدیث یعنی معروف عام سنت کی اجتماعی روح یا اس کے مزاج کو ایک معیار قرار دیتے ہیں - اجتماعیت یا اجتماعی مزاج و فطرت کے الفاظ بڑے معنی خیز ہیں اور اس مقالہ کے حصہ چہارم میں ہم بتائیں گے کہ سنت کی اصطلاح سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے یعنی ان معنوں میں جن میں بعد میں اہل سنت و الجماعت کی اصطلاح کا استعمال کیا گیا - امام ابو یوسف خود رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام سے بہت سی احادیث روایت کرتے ہوئے مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ احادیث کو قبول کرنے میں احتیاط برتیں بلکہ وہ ایسی احادیث بھی روایت کرتے ہیں جن سے صریحاً حدیث کا استرداد ثابت ہوتا ہے (۹) حدیث کی مخالفت میں جو حدیثیں روایت کی جارہی تھیں ظاہر ہے کہ وہ تحریک حدیث کی کامیابی کی وجہ سے معرض ظہور میں آئی تھیں اور ان کا ظہور اس تحریک کے فروغ کا ایک منطقی اور ضروری نتیجہ تھا لیکن اغلب یہ ہے کہ حدیث کی مخالفت میں جو احادیث ظہور میں آرہی تھیں وہ زمانی اعتبار سے ان احادیث سے مقدم تھیں جن سے حدیث کی تائید و موافقت ہوتی ہے - یہ چیز تحریک حدیث کا جزو فطرت تھی - علاوہ ازیں امام ابو یوسف کی تحریروں میں ہمیں مخالف حدیث احادیث تو ضرور ملتی ہیں لیکن حدیث کی موافقت میں کوئی حدیث نہیں ملتی - اس قسم کی احادیث زمانہ مابعد تک منظر عام پر نہیں آئیں اور امام شافعی جو حدیث کے سب سے بڑے موافقین بلکہ تحریک حدیث کے سرگروہوں میں سے ہیں صرف دو یا تین ایسی حدیثیں پیش کرتے ہیں (جن پر ہم بعد میں بحث کریں گے) اور حدیث کی قبولیت کے لئے جو دلائل لاتے ہیں وہ زیادہ تر تاریخی مواد یا قرآن مجید سے ماخوذ ہیں -

امام ابو یوسف رسول اللہ صلعم سے وضع حدیث کی نسبت کئی حدیثیں روایت کرتے ہیں جن میں وہ حدیث بھی ہے، جس نے آگے چلکر صحاح کی کتابوں میں ایک نمایاں مقام حاصل کرلیا اور جس میں کہا گیا ہے - "من کذب علي متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار" (جس نے جان کر مجھ پر جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا) لیکن اس حدیث کی مخالفت ایک اور حدیث کے ذریعہ کی گئی جس میں رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں - "جو کوئی اچھی بات تمہیں ملے تم سمجھو کہ میں نے کہی ہے" -

تکثیر حدیث کے خلاف امام ابو یوسف کی تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود اس زمانہ تک متعدد احادیث کا سلسلہ رسول اللہ صلعم تک ملایا جاچکا تھا - مثلاً کتاب الاثار میں ہمیں یہ حدیث ملتی ہے " حدثنا یوسف عن أبیه عن أبي حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن عائشة رضی الله عنها قالت ان البلاء مؤکل بالکلام" (۱۰) یعنی حضرت عائشہ رض نے کہا "بلائیں کلام کا نتیجہ ہیں" دوسری جگہ انہی الفاظ میں یہ حدیث ابن مسعود سے مروی ہے - ایک اور حدیث میں ایک جبر پسندانہ دینیاتی عقیدہ کو خود جناب رسالتماب کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں "قال حدثنا یوسف عن ابیه عن أبی حنیفة عن ابن الزبیر عن جابر رضي الله عنه ان سراقه بن مالك قال فحدثنا عن دیننا هذا کأنا خلقنا له الساعة نعمل لشئی قد جرت به المقادیر وجفت به الاقلام ام لشئی یستقبل قال : بل لشئی قد جرت به المقادیر وجفت به الاقلام قال ففیم العمل یا رسول الله صلعم قال اعملوا فكل میسر لما خلق - قال ثم قرء هذه الایة فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسني الی آخر الایة" . یعنی سراقہ بن مالک رسول اللہ صلعم سے دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے دین کے متعلق فرمائیے کہ کیا ہم اس دین کے لئے عین وقت پر پیدا کئے گئے ہیں تو کیا ہم کسی ایسی چیز کے لئے عمل کر رہے ہیں جو کلام الٰہی کے تحت پہلے

هی سے متعین هوچکی هے اور جس پر قلم خشک هوچکا هے یا هم کسی ایسے امر کے لئیے عمل کریں جس کا تعین مستقبل میں هوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ و علیه وسلم نے فرمایا ایسی چیز کے لئیے جو حکم الهی کے تحت میں معین کی جاچکی هے اور جس پر قلم خشک هوچکا هے - اس پر سراقه نے سوال کیا که پهر همارا عمل کس لئیے هے۔ رسول اللہ نے جواب دیا عمل کئیے جاؤ، کیونکه هر شخص کے لئیے وه عمل آسان کر دیا گیا هے جس کیلئے اسے بنایا گیا هے اس کے بعد قرآن کی یه آیت پڑھی - واما من اعطي واتقي وصدق بالحسني۔ یعنی جس نے خدا کی راه میں دیا اور خدا سے ڈرا اور تقوی اختیار کیا اس کے هم نیک عمل آسان بنادیتے هیں (۱۱) حصه چهارم میں جب هم اس امر سے بحث کریں گے که مسلمانوں میں عقائد کا جمود کیونکر پیدا هوا تو اس امر کی توضیح کرینگے که جبر و اختیار کے مباحث کی نوعیت کیا تهی اور انهوں نے مسلمانوں کی دینی تاریخ کے نشو و نما میں کیا حصه لیا جس کا نتیجه متذکره بالا نوعیت کی احادیث میں ظهور پذیر هوا۔ قرآن کی جس آیت کا حواله اس حدیث میں دیا گیا هے وه جبر کے عقیده کی کهلی هوئی ضد هے جس کی تلقین حدیث میں کی گئی هے -

قرب قیامت کے متعلق بهی ایک حدیث ابتدائی مگر قطعی صورت میں ملتی هے جس میں ظهور مسیح کی خبر پنهاں هے اگرچه یه حدیث رسول اللہ کی جانب نهیں بلکه عبدالاعلی کی جانب منسوب هے جنهیں قاضی یا قاص (قصے بیان کرنے والے) کی حیثیت سے پیش کیا گیا هے غالباً یه آخرالذکر حیثیت زیاده مستند هے - سیاسی حدیث کی ایک مثال یه هے۔

قال حدثنا یوسف عن ابیه عن ابی حنیفة ان رجلاً اتی علیاً رض فقال ما رأیت احداً خیراً منك . فقال له هل رأیت النبي صلعم قال لا قال فهل رأیت ابا بكر وعمر رض . قال لا . قال لو اخبرتني انك رأیت النبي صلی الله علیه وسلم ضربت عنقك ولـو اخبرتني انك رأیت ابابكر و عمر رضی الله عنهما لا وجعتك عقوبة ،، یعنی ایک شخص حضرت علی رض کے پاس آیا اور کها میں نے آپ سے زیاده بهتر کوئی شخص نهیں

دیکھا ۔ حضرت علی رض نے کہا کیا تم نے رسول اللہ کو دیکھا تھا ۔ اس شخص نے جواب دیا نہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رض کو دیکھا ہے اس نے کہا نہیں ۔ حضرت علی رض نے فرمایا اگر تو کہتا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا ہے تو میں تیری گردن مار دیتا اور اگر تو یہ کہتا کہ تونے حضرت ابو بکر رض یا حضرت عمر رض کو دیکھا ہے تو میں تجھے سخت سزا دیتا (۱۲)۔ایک حدیث جو فقہی اور اخلاقی نوعیت رکھتی ہے حسب ذیل ہے ۔

قال حدثنا یوسف عن ابیه عن ابي حنیفة عن ابی غسان عن الحسن عن ابي ذر رضي الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال یا ابا ذر الامرة امانة وهی یوم القیامه خزی وندامة الا من اخذها بحقها وادی الذی علیه فیها ۔

یعنی اے ابو ذر رض امر یا امارہ ایک امانت ہے جو قیامت کے روز ذلت و خواری اور رنج و افسوس میں بدل جائے گی ۔ بجز ان لوگوں کے کہ جو اس منصب کو جائز طور سے حاصل کریں اور اس کی ذمہ داریوں کی خاطر خواہ تکمیل کریں۔ امام ابو یوسف رح کے ہم سبق فقیہ امام محمد الشیبانی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد ان الفاظ کا مزید اضافہ کرتے ہیں ” اور اے ابو ذر ایسا کرنا ان کے لئے کیونکر ممکن ہوسکتا ہے (۱۳) “ ۔

حوالے اور حواشی

۱ ۔ الرد علی سیر الاوزاعی ۔ مصنفه امام ابو یوسف ۔ مطبوعه حیدر آباد (غیر مورخه) صفحات ۱۳۱ تا ۱۳۵ ایضاً ۲۲ و ۳۳

۲ ۔ ایضاً — صفحه ۷٦

۳ ۔ ایضاً — صفحه ۱۱

۴ ۔ کتاب الام ۔ مصنفه امام شافعی ۔ جلد (۷) صفحه ۲۳۹ ۔ آخری سطر ۔ صفحه ۲۲۰ سطر (۵) ۔

٥ - محوله بالا - مصنفه امام ابو یوسف صفحه (٢٠) و ما بعد -

٦ - ایضاً — صفحه (٢١)

٧ - ایضاً — صفحه (٣١)

٨ - ایضاً — (٣٢)

٩ - ایضاً — صفحه ٢٢ تا ٣٢

١٠ - ''آثار'' - مصنفه امام ابو یوسف (مطبوعه قاهره ١٣٥٥) نمبر ٨٨٧ - ٨٨٩ - اس کا امکان ہے کہ '' الکلام '' کے - معنی صرف ''بات'' کے ہوں لیکن امام ابو یوسف کے زمانه سے اس لفظ کو فنی اصطلاحی معنی پہنا دئیے گئے ہیں -

١١ - ایضاً — نمبر (٥٨١)

١٢ - ایضاً — نمبر (٩٢٢)

١٣ - ایضاً — نمبر (٩٢٧) و حاشیه -